

مصر میں اردو زبان کی تعلیم و تدریس

کسی ملک کی تہذیب و تمدن کو جاننے اور سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس ملک کی زبان سے واقفیت حاصل کی جائے۔ کیونکہ زبان ہی وہ واحد ذریعہ ہے جو ایک کو دوسرے سے جوڑتا ہے۔ غیر ملکی زبان سے واقفیت حاصل کرنے سے اس ملک کی تہذیب و ثقافت، فکر و فلسفہ، اور علم و ادب سے خود بخود واقفیت حاصل ہو جاتی ہے جس کے ذریعے دو ملکوں کے درمیان ثقافتی لین دین کا رشتہ استوار ہوتا ہے۔ سائنسی اور ٹکنالوجی ترقیاں اس بات کی گواہ ہیں کہ یہ کسی ایک ملک یا ایک زبان کا کارنامہ نہیں، بلکہ بہت سے ملکوں اور زبانوں نے مل کر یہ کام کیا ہے، جس کا واحد ذریعہ ترجمہ ہے جو مختلف زبانوں سے دیگر زبانوں میں ہوئے۔ ترجمہ کی اہمیت کی مثالیں تاریخ میں بہت ملتی ہیں۔ مثال کے طور پر ایک زمانے میں اہل یورپ نے عربی زبان کی اہم ترین کتابوں کا اپنی زبان میں ترجمہ کر کے نہ صرف استفادہ کیا، بلکہ سائنسی، ادبی، طبی، نجومی، فلسفیانہ، اور فکری علوم کو بھی آگے بڑھایا۔

اردو زبان دنیا کی سب سے نئی زبانوں میں ہے، اور اس کی عمر تقریباً چار سو سال بنتی ہے۔ نئی ہونے کے باوجود یہ زبان آج ساری دنیا میں پھیل چکی ہے۔ اس کی ایک وجہ اس زبان کی فطری فراخدلی ہے۔ اس میں دنیا کی متعدد زبانوں کے الفاظ ملتے ہیں، مثلاً سنسکرت، عربی، فارسی، ترکی، انگریزی، فرانسیسی، پرتگالی، اطالوی، ہسپانوی، اور چینی وغیرہ۔ پھر اردو کا مزاج بھی نہایت جمہوری ہے۔ وسیع المشربی اس زبان کا طرہ امتیاز ہے۔ بنا براین اس نئی زبان میں دنیا کے تقریباً تمام موضوعات پر بہت سی کتابیں اور مضامین ملتے ہیں،

مثلاً ادبی، شعری، فکری، اخلاقی، نفسیاتی، سائنسی، مذہبی، سماجی، اور تعلیمی وغیرہ۔

آج کل اردو زبان شمالی امریکا اور یورپ کے بیشتر ممالک، افریقا، ایشیا، اور عرب ملکوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ مصر پہلا عرب ملک ہے جس میں اس زبان کی باقاعدہ تدریس کا سلسلہ شروع ہوا۔ مصر کی چار یونیورسٹیوں میں اردو زبان و ادب کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مصر میں قاہرہ یونیورسٹی سب سے پہلی دانش گاہ ہے جہاں دوسری جنگ عظیم کے بعد فیکلٹی آف آرٹس میں اردو زبان کی تدریس کا موقعہ فراہم کیا گیا۔ اس کے بعد دنیا کی سب سے پرانی یونیورسٹی، جامعہ ازہر، نے ۱۹۷۹ء میں فیکلٹی آف لینگویجز اینڈ ٹرانسلیشن میں الگ سے شعبہ اردو قائم کیا۔ اور اسی سال عین شمس یونیورسٹی میں بھی اس زبان کی تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع ہوا۔ ان کے علاوہ اسکندریہ یونیورسٹی میں بھی اردو زبان کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ان یونیورسٹیوں میں اردو زبان و ادب کی اعلیٰ ترین ڈگری یعنی ڈاکٹریٹ تک تعلیم کا مکمل انتظام ہے۔

کسی غیر ملکی زبان کو سیکھنے کی دو بنیادی وجہیں ہو سکتی ہیں۔ ان میں سب سے اہم وجہ اقتصادی ہے، جس سے متاثر ہو کر لوگ صرف اقتصادی نقطہ نظر سے زبان کو سیکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن اس سے زبان کا علمی اور ادبی مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ دوسرا مقصد کسی زبان میں موجود معلوماتی مواد ہے، جس سے متاثر ہو کر لوگوں میں اس زبان کو سیکھنے سے دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ مصری طلباء اس دوسری وجہ سے اردو زبان سیکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اردو زبان میں علم و ادب کے وہ شہ پارے محفوظ ہیں جو کسی دوسری زبان میں نہیں۔

جامعہ ازہر میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ ۳۶۳ ہجری میں شروع ہوا۔ اس دانش گاہ کا خاص میدان جدید علوم کے ساتھ ساتھ دینی اور اسلامی علوم کی تدریس رہا ہے، اور چونکہ اردو زبان ایک سیکولر اور مشترکہ زبان ہوتے ہوئے بھی اسلامی دنیا کی بڑی زبانوں میں سے ایک ہے، لہذا ۱۹۷۹ء میں اردو کی اہمیت اور ضرورت کو محسوس کر کے جامعہ ازہر میں شعبہ اردو کا قیام عمل میں آیا۔ اس شعبے کی ترقی کے لیے جن شخصیتوں نے نمایاں کردار ادا کیا ان میں پروفیسر امجد حسن سید احمد، ڈاکٹر غلام محی الدین العربی، پروفیسر سمیر ابراہیم عبد الحمید، اور پروفیسر احمد محمود الساداتی کے نام قابل ذکر ہیں۔

مصر میں اردو کے فروغ اور تعلیم و ترقی کے لیے حکومتِ پاکستان نے وزیٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے دو لائق اساتذہ پروفیسر جوہر عبد الستار پراچہ اور ڈاکٹر جمیل احمد انجم کو جامعہ ازہر بھیجا۔ پاکستانی حکومت سے قطع نظر حکومتِ ہند نے بھی مصر میں اردو کی ترقی اور ترویج کے معاملے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ مثلاً حکومتِ ہند اردو کی تصنیفات مصر کے کتب خانوں کو بطور تحفہ پیش کرتی رہتی ہے۔ اس کے علاوہ مصری طلبہ کو ہندوستان میں اردو زبان و ادب کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے وظیفہ بھی دیتی ہے۔ صرف یہی نہیں، حکومتِ ہند وقفے وقفے سے مصر میں اردو پروفیسرز کو اپنے خرچ پر مصر بھیجتی رہتی ہے، تاکہ مصری طلبہ اردو میں ہونے والی تبدیلیوں اور ترقیوں سے واقف ہو سکیں۔ پاکستان اور ہندوستان نے اردو زبان و ادب کی جو خدمت مصر میں کی ہے اس کے نتیجے میں اردو زبان و ادب کا نام مصر میں کافی روشن ہوا ہے۔

جہاں تک مصر میں اردو کے نصاب کا تعلق ہے اس کا معیار ہندوستان اور پاکستان کی بڑی یونیورسٹیوں کی طرح ہے۔ مثلاً جس طرح برصغیر میں اردو زبان کے آغاز و ارتقا سے جدید اردو تک کا احاطہ کیا جاتا ہے، مصر کی یونیورسٹیوں میں بھی اسی معیار کو برقرار رکھا گیا ہے۔

اس کے علاوہ، برصغیر کی یونیورسٹیوں کے برخلاف، مصر میں بی۔ اے۔ کے چاروں سالوں میں تحقیقی مقالے طلبہ کے لیے ضروری قرار دیے گئے ہیں۔ یہ تحقیقی مقالہ اردو زبان و ادب سے متعلق کسی ایک موضوع پر مبنی ہوتا ہے۔ اس مقالے کے علاوہ تقابلی مطالعے کا ایک پرچہ ہوتا ہے جس میں ان تصانیف کا مطالعہ کیا جاتا ہے جو کسی اور زبان سے ترجمے کے ذریعے اردو میں منتقل کی گئیں، مثلاً "اخلاقِ ہندی"، "اخوان الصفا"، اور "لیلیٰ مجنوں" وغیرہ جیسی تصانیف کا تقابلی مطالعہ ترجمہ اور اصل کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔ ان دونوں پرچوں کے علاوہ اردو زبان کو پڑھنے اور سمجھنے کے لیے برصغیر کا مکمل تاریخی مطالعہ بھی شامل ہے جس میں سیاسی، سماجی، معاشی، تہذیبی، اور لسانی پہلوؤں پر غور کیا جاتا ہے۔ یہ تمام پہلو کسی بھی زبان کی ساخت اور اس کے ارتقا کو سمجھنے کے لیے ناگزیر اہمیت کے حامل ہیں۔ ان تمام پہلوؤں تک رسائی کے بغیر کسی زبان کے مزاج کو سمجھنا ممکن نہیں۔ جن پرچوں کا ہم نے سطورِ بالا میں ذکر کیا ہے وہ برصغیر کے نصاب میں تقریباً مفقود ہیں۔

اردو میں بی۔ اے۔ کی ڈگری حاصل کرنے والے مصری طلبہ کی تعداد سالانہ اسی ہوتی ہے۔ یہ تعداد کسی زبان کو سیکھنے کے لیے طلبہ کی ایک معیاری تعداد مانی جاتی ہے۔

مصریوں نے عربی میں بہت سی اردو کتابوں، نظموں، ناولوں، اور افسانوں کا ترجمہ کیا ہے۔ مثلاً الصّاوی علی شعلان نے اقبال کی شاہکار نظم "شکوہ" اور "جواب شکوہ" کا؛ پروفیسر سمیر ابراہیم عبدالحمید نے اقبال کے "ارمغان حجاز" کا؛ جلال نے حالی کے "مقدمہ شعر و شاعری" اور شبلی کی "سیرت النعمان" کا؛ دینا جاویش نے "عجائب القصص" کا؛ منی نے سودا کے بہت سے قصائد اور حازم نے خواجہ میر درد کے دیوان کا۔ علاوہ ازیں، مذکورہ بالا یونیورسٹیوں میں اردو قواعد، ادب اور شاعری پر بہت سے مقالے لکھے جا چکے ہیں۔ مثلاً بہادر شاہ ظفر کی شاعری، اقبال کی شاعری، سر سید احمد خاں اور اردو پر ان کے اثرات، "عجائب القصص"، خواجہ میر درد، سودا، ذوق، عربی اور اردو میں لیلیٰ مجنون کا تقابلی مطالعہ، "فرائد الدبر"، اردو زبان و ادب پر عربی زبان کا اثر، اردو کی سیاسی شاعری اور "باغ و بہار" جیسے موضوعات پر مقالے ملتے ہیں۔

مصر میں اردو زبان کی ترقی اور نشوونما میں پروفیسر امجد حسن سید احمد کا بڑا ہاتھ ہے۔ انہوں نے مصر میں اردو زبان و ادب کا نصاب مرتب کیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ تقریباً چار سال پہلے تک امجد صاحب مصر کی ان چار یونیورسٹیوں میں اردو کے اکیلے استاد تھے۔ ان کی محنت اور اردو زبان سے محبت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ ایک دن میں تقریباً آٹھ گھنٹے پڑھاتے ہیں۔ اس کے علاوہ امجد صاحب کے زیر نگرانی اب تک تیرہ طالب علموں کو ایم۔ اے۔ اور پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کی ڈگریاں دی جا چکی ہیں۔ علاوہ ازیں، ان کے توسط سے ان چاروں یونیورسٹیوں کے کتب خانوں میں اردو کتابوں کا کافی ذخیرہ جمع ہو گیا ہے۔ لہذا جس طرح برصغیر میں مولوی عبدالحق کو "بابائے اردو" کا لقب دیا گیا ہے، اسی طرح اگر ہم مصر میں امجد صاحب کو "بابائے اردو" کا لقب دیں تو غلط نہ ہوگا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آج اردو زبان ہماری سب سے بڑی اور وسیع زبانوں میں سے ایک ہے۔ ہرچند کہ اردو ہندوستان کی مشترکہ میراث ہے اور بہت سے غیر مسلم اردو کے نامور ادیب ہوئے ہیں، مگر اردو دانوں اور اردو کتابوں کی تعداد مسلمانوں میں مروج دوسری تمام زبانوں اور کتابوں کی بہ نسبت زیادہ ہے۔

مسلمانوں کی تہذیب، تاریخ، افکار اور روایات سے متعلق جتنا وقیع اور وافر مواد اردو میں ملتا ہے وہ شاید عربی اور فارسی کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ بیشک اردو نے عربی اور فارسی کے سرچشموں سے اکتساب کیا تھا اور اکتساب کرتی رہے گی، لیکن اپنے ارتقا کے سفر میں کم سے کم موضوعات اور مضامین کے تنوع کے اعتبار سے آج اردو بہت آگے جا چکی ہے۔ ترقی کی اس رفتار کا اندازہ برصغیر ہند و پاک سے ماورا مشرق اور مغرب کے بہت سے ملکوں میں اردو کی صورت حال سے لگایا جاسکتا ہے۔ آج ساری دنیا میں اردو کی پذیرائی اور حوصلہ افزائی ہو رہی ہے۔ یہ ایک خوش آئند بات ہے۔